

ہائے سکنہ

درِ زنداں کے جو کھلنے کی صدا آتی ہے
کیا سکنہ کو رہا کرنے قضا آتی ہے

خاکِ پائے ماتم گسارِ انِ حسینِ مظلوم

میر احمد نوید

نوحہ

نہ پوچھ پانی سے کیا پیاس ہے سکیئہ کی
الہ سبیل ہے ”لا“ پیاس ہے سکیئہ کی

خدا سے پوچھ کبھی جس کو کر گئی سیراب
نہ پوچھ مجھ سے کہ کیا پیاس ہے سکیئہ کی

یہ تجھ پہ کیسے کھلے آب و تشنگی کے اسیر
جدا ہے پانی جدا پیاس ہے سکیئہ کی

تہوں میں اس کی زمانوں کی تشنگی مُم ہے
جو پیاس سے بھی سوا پیاس ہے سکیئہ کی

قسم ہے مشک و علم کی سوائے غازی کے
کسے خبر ہے کہ کیا پاس ہے سکیئہ کی

نوید ہو گیا سیراب یاحینؑ آخر
جو سوچتا تھا کہ کیا پیاس ہے سکینہؑ کی

نوحہ

کب رہا ہونے سکیئہ آئی ہے زندان میں
موت کے سامان سارے لائی ہے زندان میں

آتے جاتے آرہی ہے بیڑیوں سے یہ صدا
اے سکیئہ غم نہ کرنا بھائی ہے زندان میں

گھٹ گیا زندان کا دم کیا سکیئہ تیرے ساتھ
خامشی کیوں موت کی سی چھائی ہے زندان میں

کیا خبر رکھے کہ دن کب ڈھل گیا کب آئی شام
اُس نے کب رونے سے فرصت پائی ہے زندان میں

پوچھتی رہتی ہے ماں سے اپنے گھر کب جائیں گے
ہائے جس دن سے سکیئہ آئی ہے زندان میں

در قفس کا کُھل رہا ہے وا سکیئہ کا ہے شور
موت آئی یا قیامت آئی ہے زندان میں

ایک کاندھا کیا اُٹھائے کیا رکھے ننھی سی لاش
لاش جو زنداں سے اُٹھ کر آئی ہے زندان میں

چلتے چلتے جانے کب رک جائے دھڑکن اے نویدِ
چند سانسیں ساتھ اپنے لائی ہے زندان میں

نوحہ

سو گئی ہائے سیکینہ ۴ اوڑھ کر زنداں کی خاک
رو رہا ہے سر پہ ڈالے گھر کا گھر زنداں کی خاک

کٹ رہے ہیں بیڑیوں سے پائے عابد صبح و شام
جم رہی ہے بیڑیوں کے زخم پر زنداں کی خاک

کیسے نکلے گی سروں سے قیدیوں کے عمر بھر
جم گئی ہے جو سفر کی خاک پر زنداں کی خاک

اب نہیں بابا کا وہ سینہ کہ اب بستر ہے خاک
اب نہیں دستِ پدر سر پر مگر زنداں کی خاک

پوچھتی ہے جب سیکینہ ماں سے گھر کب جائیں گے
خاک پر دے مارتی ہے اپنا سر زندان کی خاک

کاٹتی ہے رات دن رخسار وہ گریے کی دھار
کاٹتی ہے بیڑیاں شام و سحر زنداں کی خاک

خاک اڑاتے کس طرح مرگِ سکیںہ پر اسیر
ہائے زنداں میں نہیں ہوتی اگر زنداں کی خاک

خاک پر زنداں کی ہیں سجادِ سجدے میں نوید
سجدۂ عابد میں ہے شام و سحر زنداں کی خاک

نوحہ

گھٹنے کو ہے دم معصومہ کا اب ہوا کا چلنا مشکل ہے
جاں تن سے نکلنا آساں ہے زنداں سے نکلنا مشکل ہے

یہ زنداں کی تاریکی ہے یہ رات نہیں جو ڈھل جائے
اب سانس چلے یا رک جائے پر موت کا ٹلنا مشکل ہے

اب زنداں کی تاریکی میں ہے شمعِ سیکینہ بجھنے کو
وہ جس کا عالم ہے کہ یہاں اک دیا بھی جلنا مشکل ہے

ہر دم بختی زنجیروں سے جس دل کو ڈھارس رہتی تھی
بیڑی کی صداؤں سے بھی اب اُس دل کا بہلنا مشکل ہے

یہ رات بہت ہی بھاری ہے معصوم پہ سکتا طاری ہے
سکتے سے نکل بھی جائے تو حالت کا سنبھلنا مشکل ہے

لوری کی جگہ اب نوحہ ہے تھپکی کی جگہ اب ماتم ہے
اب موت کی آخری پچکی کا سانسوں سے بدلنا مشکل ہے

اک اک کا منہ تکتے ہیں نوید سجاد کہیں تو کس سے نوید
معصوم کا بچنا مشکل ہے اس رات کا ڈھلنا مشکل ہے

نوحہ

راتوں کو سیکنہ دعا کرتی تھی رو کر بابا کو نہ کچھ ہو
چھنتے ہیں تو چھن جائیں بلا سے مرے گوہر بابا کو نہ کچھ ہو

عاشور کی شب جاتی ہے آہستہ برابر، دن نکلے گا کیونکر
بابا کی طرف سے مجھے رہتا ہے بہت ڈر، بابا کو نہ کچھ ہو

سہہ لوں گی جو ماریں گے ٹماپنچے یہ ستمگار، نیلے ہوں یہ رخسار
ہوتا ہے گر خون سے گرتا ہو مرا تر، بابا کو نہ کچھ ہو

لے شمر اگر شاہ کے بدلے میں مری جاں، ہوں شاہ پہ قرباں
مرنا تو مجھے یوں بھی ہے زندان میں گھٹ کر، بابا کو نہ کچھ ہو

بابا کی ضمانت میں حرم کی ہے جو حرمت، پردہ ہے سلامت
بابا کو جو کچھ ہو گیا چھن جائے گی چادر، بابا کو نہ کچھ ہو

پس گنبدِ افلاک میں پڑتی تھیں دراڑیں کھا کھا کے پچھاڑیں
کہتی تھی جو زینبؓ سے یہ شبیرؓ کی دختر، بابا کو نہ کچھ ہو

خنجر لیے جب شہہؓ کی طرف شمر بڑھے گا، سینے پر چڑھے گا
گزرے گی نوید اس گھڑی کیا بچی کے دل پر، بابا کو نہ کچھ ہو

نوحہ

اے موت بیکی کا اندھیرا بڑھا نہ ، ہائے
زندہان میں چراغِ سیکندہ بجھا نہ ، ہائے

آئی اسی جلے ہوئے گرتے میں اُس کو موت
گالوں سے نیل مرتے دم تک مٹا نہ ، ہائے

رونے دیا ستم نے نہ سونے دیا اُسے
جب تک رکیں نہ سانس ستم بھی رکا نہ ، ہائے

کیسا کفن، کہاں کا اگر، کیا چراغ و گل
دفن اس طرح ہوئی کہ جنازہ اٹھا نہ ہائے

نگلی نہیں جلے ہوئے خیموں کی سر سے راکھ
رسی کا جو نشان تھا گلے سے جھٹا نہ ہائے

خطبوں میں تھا سکینہؓ کے زینبؓ کا بانگین
زنداں کے در پہ بچوں کا ماتم رکا نہ، ہائے

ماتم کیا، اُٹھے ہوئے بے دم، گرے نوید
ماتم کا حق تو ہم سے ادا ہو سکا نہ ہائے

نوحہ

قید خانے میں سکیئہ کو جو گھر یاد آیا
دل سے اک ہوک وہ اٹھی کہ جگر یاد آیا

پہلے یاد آیا سلامت اُسے ایک اک چہرہ
پھر ہر اک چہرہ اُسے خون میں تر یاد آیا

یاد ہر سیلی پہ اُس بی بی کو رخسار آئے
خون دامن پہ جو پٹکا تو گھر یاد آیا

آئی بازار میں تو اُس کو ردا یاد آئی
سنگ بر سے تو نبی زادی کو سر یاد آیا

وقتِ رخصت جہاں جس در پر کھڑی تھی صغراً
یاد آئی اُسے صغراً ، اُسے در یاد آیا

آنکھ بھر آئی جو یاد آیا اُسے دستِ پدر
دل بھر آیا جو اُسے شمر کا شرِ یاد آیا

بسترِ سینہٴ شبیر اُسے یاد نہ تھا
خاکِ زنداں پہ رکھا اُس نے جو سرِ یاد آیا

دیکھی جب قبرِ سکیں مری آنکھوں نے نویدِ
نہ کھلا جو مری بی بی پہ وہ درِ یاد آیا

نوحہ

زندان کے در پر کھڑی رہتی ہے سکیئہ
مصروفِ فغاں ہر گھڑی رہتی ہے سکیئہ

یا کوٹتی ہے ماتمِ شبیرؑ میں سینہ
یا خاک پہ غش میں پڑی رہتی ہے سکیئہ

گھڑکی کا کبھی خوف طمانچوں کا کبھی ڈر
زندہ ہی زمیں میں گڑی رہتی ہے سکیئہ

سکتے کا وہ عالم ہے کہ دیوار سے ٹک کر
تصویر کی صورت جوئی رہتی ہے سکیئہ

یا اڑتی ہوئی خاک میں مَنہ اپنا لپیٹے
بے جنبش و بے حس پڑی رہتی ہے سکیئہ

تالے کی نموشی ہے نویدِ اُس کی سہیلی
بات اُس سے جو کرتی کھڑی رہتی ہے سکینہ

نوحہ

شہہ تھام کے لائے ہیں کمر ، مشکِ سکینہ
پانی سے نہیں خوں سے ہے تر ، مشکِ سکینہ

صدیوں سے تو غازی کے علم سے جو بندھی ہے
باقی ہے ابھی کتنا سفر ، مشکِ سکینہ

سینے میں ترے پیاس بہتر کی ہے پھر بھی
پانی نہ ہوا تیرا جگر ، مشکِ سکینہ

ہر زخم سے بہتا رہا پانی کی طرح خون
لپٹی رہی سینے سے مگر ، مشکِ سکینہ

شرمندہ سکینہ سے ہے سقائے سکینہ
شرمندہ ہے غازی سے مگر ، مشکِ سکینہ

غازیؑ کے دہن کی طرح یہ خشک دہن ہے
کوثر سے لبالب ہے مگر؁ مشکِ سِکینہؑ

پیا سا ہے نویدِ ایک زمانے سے ہے پیا سا
ہو اُس کی طرف ایک نظر؁ مشکِ سِکینہؑ

نوحہ

رہا ہوئی نہ سکی نہ ، رہا ہوئی زینبؑ
دیا جلا کے لحد سے جدا ہوئی زینبؑ

علیؑ کو صبر کے بدلے ملے حسینؑ و حسنؑ
علیؑ کو فقر کے بدلے عطا ہوئی زینبؑ

حوالے کر کے خدائی یہ کہہ رہا ہے خدا
تری ردا کی نہ قیمت ادا ہوئی زینبؑ

مقام مریمؑ و سارہؑ جہاں تمام ہوا
وہاں سے حق کی قسم ابتدا ہوئی زینبؑ

لہو میں ڈوبا ہوا خاک سے اٹھا کے علم
گلے جو کٹ گئے اُن کی صدا ہوئی زینبؑ

نوید کرب و بلا ہے بنائے اللہ
نوید کرب و بلا کی بنا ہوئی زینبؓ

نوحہ

دم سینے میں گھٹتا ہے اندھیرا ہے پھوپھی جان
کھا جائے گا اماں مجھے یہ شام کا زندان

وہ شام طمانچوں بھری رخصت ہوئی اماں
دامن جلے گوہر چھنے مدت ہوئی اماں
پر آج تلک درد سے دکھتے ہیں مرے کان

یہ رات یہ تنہائی یہ خاموشی یہ غربت
اماں اسی گوشے میں بنانا مری تربت
تا میری طرح سے ہو مری قبر بھی ویران

اماں ہو کہاں کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا
ہاتھوں کو میرے ہاتھ سمجھائی نہیں دیتا
ایسا ہے اندھیرا کے خطا ہوتے ہیں اوسان

سوچا تھا کہ زنداں سے رہا جب میں ہوں گی
جاؤں گی مدینے کو میں صغراً سے ملوں گی
لگتا ہے مگر یاں سے رہائی نہیں آسان

یاں خاک اڑاتی ہے جہاں شام سے وحشت
ہر صبح ٹپکتی ہے جہاں بام سے وحشت
ہوگا اسی زنداں میں مرے دفن کا سامان

پُر شور نویدِ اتنا ہے جتنا ہے یہ سنان
اک قبر کے ہوتے ہوئے یہ شام کا زندان
آباد کا آباد ہے ویران کا ویران

نوحہ

اماں بابا ہیں کہاں اماں بابا ہیں کہاں
اماں بابا ہیں کہاں، اماں بابا ہیں کہاں

آندھیاں دیکھو بگولوں کی طرح چلنے لگیں
خوں برسنے لگا ہلنے لگی مقتل کی زمیں
دیکھ آئی ہوں میں ہر خیمہ نہیں کوئی کہیں
کب سے دیتی ہوں صدا پر کوئی آتا ہی نہیں
ان برستے ہوئے تیروں میں تمہیں ڈھونڈوں کہاں

سب کہاں کھو گئے یہ کوئی بتاتا ہی نہیں
کوئی بابا کو مرے ڈھونڈ کے لاتا ہی نہیں
آگ دامن کی مرے کوئی بجھاتا ہی نہیں
وہ اندھیرا ہے مجھے کچھ نظر آتا ہی نہیں
میری آنکھوں میں بھرا جاتا ہے خیموں کا دھواں

یاد بابا کی جو آ آ کے ستائے گی مجھے
جب تک مر نہیں جاؤں گی رلائے گی مجھے
مجھ کو لگتا ہے کہ اب موت سلائے گی مجھے
اماں اس خاک پہ تو نیند نہ آئے گی مجھے
وہ جو بستر تھا مرا ہائے وہ سینہ ہے کہاں

یہ ستم گار دہائی تو سنیں گے نہ کبھی
یہ ستم گار ستم سے تو رکیں گے نہ کبھی
مجھ نئی زادی پہ یہ رحم کریں گے نہ کبھی
نیل گالوں سے طمانچوں کے مٹیں گے نہ کبھی
میری گردن سے نہ جائے گا یہ رسی کا نشان

ساتھ بابا کے گئے سب کوئی آتا ہی نہیں
ظالموں سے مجھے اب کوئی بچاتا ہی نہیں
رحم کوئی بھی مرے حال پر کھاتا ہی نہیں
سر پہ رکھنے کو کوئی ہاتھ اٹھاتا ہی نہیں
کیا یتیموں کے لئے کوئی نہیں جائے اماں

اُس کی آنکھوں سے جھڑی اشکوں کی بہتی ہے نویدِ
ہاتھ دل پر وہ ہمیشہ دھرے رہتی ہے نویدِ
غش سے جب اُٹھتی ہے وہ بس یہی کہتی ہے نویدِ
بابا کب آئیں گے جب تن سے نکل جائے گی جاں

نوحہ

بیٹی حسینؑ کی سرِ دربار آئی ہے
معصوم خوں بھرے ہوئے رخسار لائی ہے

آیا ہے ہائے طشت میں رکھا سرِ حسینؑ
سب نہں رہے ہیں اور سکیئہؑ کے لب پہ بین
کیا خوب ہے یہ اجرِ رسالت دہائی ہے

نبیوں کی صف میں ہے صفِ ماتم بچھی ہوئی
نہضیں یہ کائنات کی کیوں ہیں رکی ہوئی
پُر خار رسیوں میں یہ کس کی کلائی ہے

ہلچل ہے قیدیوں میں یہ کیسی پھر ایک بار
درِ گھل رہا ہے ہائے سکیئہؑ کی ہے پکار
حکمِ رہائی آیا ہے یا موت آئی ہے

غربت میں خاک اُڑائی تھی جیسے حسینؑ نے
اکبرؑ کی لاش اُٹھائی تھی جیسے حسینؑ نے
عابدؑ نے ایسے لاشِ سکینہؑ اُٹھائی ہے

مارا ہے تازیانہ اُٹھایا ہے کس کو ہائے
ظالم نے یہ کنیزی میں مانگا ہے کس کو ہائے
کیوں غش میں ہائے زینبؑ دلگیر آئی ہے

زنداں کے در سے پل کو نہ بٹتی تھی جو نویدِ
زندان کے اندھیرے میں جلتی تھی جو نویدِ
اے موت تو نے شمع وہ کیسی بجھائی ہے

نوحہ

گلا بندھ رہا ہے بندھالو سکیئہ
مگر کچھ بھی ہو دیں بچالو سکیئہ

سہو گھڑکیاں شمر کی اپنے دل پر
ذرا اُف نہ کرنا وہ کھینچے جو گوہر
طمأنینے بھی گالوں پہ کھالو سکیئہ

تمہیں یہ ستمگار سونے نہ دیں گے
جو رونا بھی چاہو تو رونے نہ دیں گے
ابھی سارے آنسو بہالو سکیئہ

ہر اک سمت چھائی ہے شامِ غریباں
لیے آگ آئی ہے شامِ غریباں
کہ شعلوں میں دامن جلاو سکیئہ

کہ اب اُٹھ گیا سر سے بابا کا سایہ
یتیمی نے تجھ کو یہ دن کیا دکھایا
کھلے سر پر اب خاک ڈالو سکیئہ

ستم سے بچانے کو اب کچھ نہیں ہے
گلے سے لگانے کو اب کچھ نہیں ہے
یتیمی گلے سے لگاؤ سکیئہ

کہ قرآن و عترت پہ بات آگئی ہے
کہ اب دیں کی حرمت پہ بات آگئی ہے
گھر دے کے حرمت بچالو سکیئہ

نویۂ آئی ہاٹ کی آواز اُس دم
نہ روئی سکیئہ تو گھٹ جائے گا دم
رکے میں جو آنسو بہالو سکیئہ

نوحہ

قدموں سے لپٹ جاؤں گی جب جاؤ گے بابا
جب تک نہ یہ وعدہ کرو لوٹ آؤ گے بابا

جاؤں گی میں زندان میں کھاؤں گی میں پتھر
کھاؤں گی طمانچے بھی میں لٹواؤں گی گوہر
خنجر سے گلا اپنا جو کٹواؤ گے بابا

تم دیکھنا پھر خاک پہ غش کھاؤں گی میں بھی
بوچھاڑ میں ان تیروں کی آجاؤں گی میں بھی
جاں دینے کو مقتل میں اگر جاؤ گے بابا

لے جائیں گی در در یہ مجھے شام کی راہیں
میں تو نہیں سو پاؤں گی اڑ جائیں گی نیندیں
تم شام ڈھلے خاک پہ سو جاؤ گے بابا

ایسے گئے پھر لوٹ کے اصغرؑ نہیں آئے
عمو بھی تو دریا سے پلٹ کر نہیں آئے
ایسا تو نہیں تم بھی نہیں آؤ گے بابا

جب مجھ کو قضا آئے گی زندان میں بابا
ہو گا مرا بھائی بھی تو زنجیروں میں تنہا
وعدہ کرو دفنانے کو تم آؤ گے بابا

آوازِ نویدِ آئی سکیں کی سنبھالو
بابا مجھے کچھ دیر کو سینے پہ سلا لو
کچھ دیر میں تم یوں بھی بچھڑ جاؤ گے بابا

نوحہ

توئے مقتل سیکنہ یہ کہتی چلی
میرے بابا کہاں ہو خبر لو مری

کیسے گھر جاؤں سب راستے کھو گئے
راستہ تو بتاؤ کہاں سو گئے
سُن رہے ہو اگر تم صدائیں مری

کانپتا ہے بدن تھرتھراتا ہے دل
جب گھڑکتا ہے وہ بیٹھ جاتا ہے دل
شمر کی میں بہت گھڑکیاں کھا چکی

مار کر سیلیاں بالیاں چھین کے
سب کو بازو سے گردن سے باندھا مجھے
سانس لگتا ہے جیسے رکی اب رکی

دوڑتی ہوں میں لاشوں کے جو درمیاں
لڑکھڑاتے ہیں پاؤں دہکتی ہے جاں
پھر نہیں ڈھونڈنا میں اگر کھو گئی

آگ اُگلتے ہوئے آسماں کے تلے
راکھ خیموں کی منہ پر میں اپنے ملے
آگئی ہوں تمہیں ڈھونڈتی ڈھونڈتی

شمر کو ٹوکنے والا کوئی نہیں
سیلیاں روکنے والا کوئی نہیں
رو رہی ہوں میں اور نہں رہے ہیں شقی

لکھ رہا ہے لہو سے جو نوحہ نوید
آپ کو دے رہا ہے جو پُرسہ نوید
مانگتا ہے جو وہ اُس کو دے دو وہی

نوحہ

اے پیارے چچا جان اے پیارے چچا جان
پانی نہیں مانگوں گی جائے بھی اگر جان

میں ڈھونڈتی بابا کو جنگل میں چلی آئی
میں شام غزیاں کے مقتل میں چلی آئی
جلتا ہے مرا دامن زخمی میں میرے کان

زنداں کے اندھیرے سے گھبرا کے میں جاں دوں گی
سر اپنا دواروں سے ٹکرا کے میں جاں دوں گی
زندان میں لائی ہوں سب موت کے سامان

دروازے پہ صغراً بھی بے چین کھڑی ہوگی
رتا مرے آنے کا وہ دیکھ رہی ہوگی
صغراً سے تو ملنے کا رہ جائے گا ارمان

کربل کی کہانی میں بچوں کو سناتی ہوں
تھا کون مرا بابا یہ ان کو بتاتی ہوں
بس آٹھ پہر میں ہوں اور ہے درِ زندان

نٹھے علی اصغرؑ کو سینے سے لگالوں میں
اک بار اُسے پانی ہاتھوں سے پالوں میں
پیاسے علی اصغرؑ میں اٹکی ہے مری جان

لپٹی ہوئی پیروں میں زنجیر کے گھیرے سے
اس ساتویں زنداں کے خاموش اندھیرے سے
کس طرح رہا ہوں گی جب موت ہے دربان

ہے جان نکلنے کو اور پاس نہیں کوئی
بابا کے بھی آنے کی اب آس نہیں کوئی
آجاؤ بھتیجی ہے کچھ سانسوں کی مہمان

زنداں میں نویدِ اس دم اک حشر کا منظر ہے
اک نوحہ سَکینۂ کے لرزیدہ لبوں پر ہے
یہ اجرِ رسالت ہے کیا یہ ہیں مسلمان

نوحہ

دشت میں گونجی صدا اے میرے پیارے چچا
لو خبر آ کے ذرا
خون کانوں سے بہا مرا دامن بھی جلا
لو خبر آ کے ذرا

قتل سب ہو گئے عاشور کا دن بیت گیا
ہائے اس شام غریباں نے ہمیں لوٹ لیا
ایک اک خیمہ جلا سارا اسباب لٹا
لو خبر آ کے ذرا

سب کو بازو سے گلے سے مجھے باندھا ہائے
رحم کوئی بھی تو مجھ پر نہیں کھاتا ہائے
سانس گھٹتا ہے مرا ہے رن میں یہ گلا
لو خبر آ کے ذرا

قافلہ چلنے کو تیار ہے سوئے زنداں
کیا خبر لوٹ کے آنا ہو نہ آنا ہو یہاں
لو وہ نقارہ بجا ہائے بیمار اٹھا
لو خبر آ کے ذرا

گھرگیاں دیں مجھے اعداء نے طمانچہ مارے
ہائے رخساروں سے بہتے ہیں لہوں کے دھارے
لے گئے اہل جفا کھینچ کر سر سے ردا
لو خبر آ کے ذرا

گر گئی ہوں میں سرِ راہ گذر ناقے سے
اور معلوم نہیں مجھ کو نجف کے رستے
قافلہ روکو ذرا دے رہی ہوں میں صدا
لو خبر آ کے ذرا

بے ردا مجمع اغیار سے کیسے گزرے
سُن تو لو ہم سے کہ بازار سے کیسے گزرے
غش ہوا بھائی مرا تازیانہ نہ رکا
لو خبر آ کے ذرا

خود مرا ہاتھ دکھائی نہیں دیتا مجھ کو
کھا ہی جائے گا یہ زنداں کا اندھیرا مجھ کو
اس سے پہلے کے چچا مجھ کو آجائے قضا
لو خبر آ کے ذرا

سو گئی خاک پہ زنداں کی وہ معصوم نوید
ہو گئی ہائے چچا کی صدا معدوم نوید
اب سکیں کی جگہ ہائے روشن ہے دیا
لو خبر آ کے ذرا

نوحہ

اماں زرا زنداں میں کوئی شمع جلاؤ کچھ کم ہو اندھیرا
یا مجھ کو میرے ہونے کا احساس دلاؤ کچھ کم ہو اندھیرا

اماں ہو کہاں کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا
ہاتھوں کو میرے ہاتھ سمجھائی نہیں دیتا
آؤ کہ نہ آؤ کوئی آہٹ ہی سناؤ کچھ کم ہو اندھیرا

آواز دو اماں کو یہ سکتا میرا ٹوٹے
زنداں کے اندھیرے سے میری جان تو چھوٹے
لوری نہ سناؤ کوئی نوحہ ہی سناؤ کچھ کم ہو اندھیرا

دل میرا بہل جائے تو کچھ کم ہو یہ الجھن
زنداں کی خموشی سے نہ رک جائے یہ دھڑکن
کلاکریاں اصغر کی ذرا ڈھونڈ کے لاؤ کچھ کم ہو اندھیرا

بے جسم سا سایہ نظر آتی ہوں میں خود کو
اب خاک کا حصہ نظر آتی ہوں میں خود کو
پتھرا گئیں آنکھیں میری کوئی تو رلاؤ کچھ کم ہو اندھیرا

تم سن سکو بابا تو سیکنہ کا سنو غم
زنداں کے اندھیرے میں نہ گھٹ جائے میرا دم
ویسے نہیں آتے تو تصور ہی میں آؤ کچھ کم ہو اندھیرا

کہتی تو نوید آہ وہ کیسے جو ہوا حال
بس خود کو سناتی تھی وہ زندان کا احوال
پھر کہتی تھی وہ خود سے ذرا مجھ کو رلاؤ کچھ کم ہو اندھیرا